ابوسعید حنیف احمد محمود۔برطانیہ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

تقریر بابت قرآن کریم

وقت 5-7منٹ

اسلام میں کفّارہ کی حقیقت اور تلافی کا فلسفہ

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ، وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (المائدہ:90)

آواز آرہی ہے یہ فونو گراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے
جب تک عمل نہیں ہے دل پاک و صاف سے
کمتر نہیں یہ مشغلہ بت کے طواف سے

(درثمین)

سامعین! آج مجھے اسلامی تعلیمات میں لفظِ کفّارہ، اس کا فلسفہ اوراس کی تعمیل پر گفتگو کرنا ہے۔ اور آج اللہ کی کتاب قرآن کریم میں درج کفّاروں کا ذکر ہو گا۔ بہر حال کفّارہ، خطا کے بعد واپسی کے دروازے کا نام ہے۔

اسلامی شریعت انسان کو فرشتہ سمجھ کر مخاطب نہیں ہوتی۔ وہ اس کی بشری کمزوریوں، اس کے نسیان، اس کے جذبات، اس کی لغزش اور کبھی اس کے ارادے کی کمزوری، سب کو جانتی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی چاہتی ہے کہ انسان اپنی خطا کو تقدیر کا نام دے کر بے حس نہ ہو جائے۔ اسی لیے اسلام نے گناہ کے بعد مایوسی کا راستہ نہیں، توبہ، تلافی، اصلاح اور رجوع کا راستہ کھولا ہے۔ اسی نظامِ اصلاح میں ”کفّارہ“ ایک نہایت معنی خیز شرعی تصور ہے۔ عربی مادہ ”ك، ف، ر“ میں ڈھانپنے اور چھپانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جسے شرعی اصطلاح میں کفّارہ اس مخصوص تلافی کو کہتے ہیں جو شریعت نے بعض متعیّن خلاف ورزیوں کے ازالے کے لیے مقرّر فرمائی ہے۔ تاہم یہاں ایک بنیادی علمی امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ ہر گناہ کا کوئی مقررہ کفّارہ نہیں اور ہر تلافی کو اصطلاحی کفّارہ نہیں کہا جا سکتا۔

کبھی شریعت ”کفّارہ“ کا لفظ استعمال کرتی ہے، کبھی ”فدیہ“، کبھی ”دیت“، کبھی ”ہدی“، کبھی ”قضا“ اور کبھی صرف ”توبہ و استغفار“ کا حکم دیتی ہے۔ ان سب کا مقصد اصلاح اور درستی ہے، مگر ان کی شرعی حیثیت یکساں نہیں۔ اس لیے کفّارے کا حقیقی مطالعہ محض یہ جان لینا نہیں کہ ”کون سا گناہ ہوا اور کتنے روزے رکھنے ہیں یا کوئی اَور طرح تلافی کرنی ہے“، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف انسانی لغزشوں کے لیے مختلف نوعیت کی تلافی کیوں مقرّر فرمائی؟ کہیں زبان کی لغزش کے مقابلے میں مال خرچ کرایا گیا، کہیں جسم کو عبادت کی مشقّت سے گزارا گیا، کہیں انسانی جان کے ضائع ہونے پر مالی حق بھی ادا کرنا پڑا اور عبادتی کفّارہ بھی، کہیں ازدواجی حُرمت کے مجروح ہونے پر سخت تربیتی مرحلہ رکھا گیا اور کہیں محض ایک مجلس کی لغویات کے بعد استغفار کی دعا کو مغفرت کا ذریعہ بنایا گیا۔ یوں اسلامی نظامِ کفّارہ دراصل خطا سے اصلاح تک کا ایک تربیتی سفر ہے۔

سامعین! آج مَیں اُن کفّاروں اور فدّیات کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں جن کا ذکر ہمیں قرآنِ کریم میں ملتا ہے۔ قرآنِ کریم نے جن معاملات میں کفّارے یا متعیّن تلافی کا حکم دیا ہے، ان میں بنیادی طور پر قسم، قتلِ خطا، ظہار، احرام میں بعض خلاف ورزیاں اور بعض صورتوں میں صیام کا فدیہ شامل ہیں۔ اس کے ساتھ حج کے بعض اعمال میں ہدی اور فدیہ کے احکام بھی آئے ہیں، جنہیں اصطلاحی کفّارے سے الگ سمجھنا ضروری ہے۔

1۔ قَسم کا کفّارہ: زبان کی حُرمت اور عہد کی ذمّہ داری

انسان کبھی غصّے میں، کبھی جذبات میں اور کبھی کسی معاملے کو مؤثر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام کی قَسم کھالیتا ہے۔ شریعت نے قَسم کو معمولی لفظ قرار نہیں دیا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنے قول کی گواہی بنانا شامل ہے۔ تاہم قرآن نے لغو قسم اور پختہ قَسم کے درمیان فرق قائم کیا اور ٹوٹی ہوئی پختہ قَسم کے لیے واضح کفّارہ مقرّر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ المائدہ آیت 90 میں جس کی تلاوت مَیں تقریر کے آغاز میں کر آیا ہوں اُس کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا، لیکن ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے جنہیں تم نے پختہ کیا ہو۔ پس اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اس اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ پھر جو یہ نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

اس آیت میں پہلے تین اعمال کے درمیان تخییر ہے: اطعام، کسوت یعنی کپڑے پہنانا یا تحریرِ رقبہ۔ ان کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں روزوں کا حکم آتا ہے۔

قرآن کا جملہ، "وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ"، اس پورے حکم کی روح بیان کرتا ہے۔ مقصد صرف یہ نہیں کہ قَسم ٹوٹ جائے تو کفّارہ دے دیا جائے۔ مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اپنی زبان کو ایسا بے احتیاط نہ بنائے کہ قَسم اس کے لیے معمولی اظہارِ جذبات بن جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ یعنی جب تم قسم کھاؤ تو جھوٹ اور بد عہدی اور بدنیّتی سے اپنی قَسم کو بچاؤ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کو عملی صورت میں یوں واضح فرمایا:

وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ، وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ

جب تم کسی بات پر قسم کھاؤ، پھر اس کے برخلاف کوئی بہتر بات دیکھو تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور وہ بہتر کام اختیار کرو۔

(صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور)

یہاں اسلام ایک نہایت بلند اخلاقی اصول قائم کرتا ہے: قَسم خیر سے بلند نہیں۔ انسان اگر کسی سابقہ جذباتی عہد کے باعث خیر کے کام سے رک جائے تو شریعت اسے اپنی ہی زبان کا اسیر نہیں بناتی بلکہ بہتر عمل اختیار کرنے اور کفّارہ ادا کرنے کا راستہ دکھاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لغو قَسموں پر مؤاخذہ کرنے کا ذکر سورۃ البقرہ آیت 226 میں بھی فرمایا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اِس آیت کے تحت فُٹ نوٹ میں لغو قَسم اور اِس کے کفّارہ کا فلسفہ یوں بیان فرمایا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"لغو قَسم سے مراد وہ قَسم ہے جو عادت کی وجہ سے کھائی جائے جیسے بعض کو بِلا سوچے وَاللہِ! بِاللہِ کہنے کی عادت ہوتی ہے۔ یا وہ قَسم جس کے کھانے والا یقین رکھتا ہو کہ وہ درست ہے لیکن اُس کا یقین غلط ہو یا شدید غصّہ میں قَسم کھالینا کہ جب ہوش وحواس ٹھکانے نہ ہوں یا حرام شئے کے استعمال یا فرض وواجب عمل کے ترک کے متعلق کسی وقتی جوش کے ماتحت قسمیں کھالینا، یہ سب قسمیں لغو ہیں۔ اور اِن کے توڑنے پر کوئی کفّارہ نہیں بلکہ اِن کے کھانے پر توبہ اور استغفار کا حکم ہے کیونکہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (مؤمنون: 4) کے خلاف ایسی قَسمیں ہیں پس ان کے کھانے والا مُخطی یا گنہگار ہے اِسے اپنے گناہ پر توبہ اور ندامت کا اظہار کرنا چاہیے نہ یہ کہ ان کے توڑنے کے لئے کسی کفّارہ کی ضرورت ہے۔ اِسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے لَا يُؤَاخِذُكُمْ کے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ یعنی اگر وقتی جوش کے ماتحت ایسی قَسم کھائی جائے تو گناہ نہ ہو گا۔ اگر جان بوجھ کر ایسی قَسم کوئی کھالے تو اُسے گناہ بھی ہو گا"

(تفسیر صغیر صفحہ 67)

سامعین! قتلِ خطا: ایک جان کا ضائع ہونا اور دوہری ذمّہ داری

اسلام نے انسانی جان کو غیر معمولی حُرمت عطا کی ہے۔ اگر کسی مؤمن سے کسی انسان کا قتل بلا قصد اور خطا سے ہو جائے تو شریعت اسے محض حادثہ کہہ کر اخلاقی ذمّہ داری سے آزاد نہیں کرتی۔ یہاں ایک طرف مقتول کے اہل کا مالی حق ہے تو دوسری طرف قاتل کے لیے کفّارہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء:93)

ترجمہ: کسی مؤمن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک مؤمن غلام آزاد کرنا اور اس کے گھر والوں کو دیّت ادا کرنا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہو اور وہ خود مؤمن ہو تو ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جس کے اور تمہارے درمیان عہد ہو تو اس کے اہل کو دیت دینا اور ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے۔ پھر جو اسے نہ پائے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہیں، اللہ کی طرف سے توبہ کے طور پر۔

یہاں دیّت اور کفّارہ دو الگ ذمہ داریاں ہیں۔ دیّت مقتول کے اہل کا حق ہے، جبکہ کفّارہ قاتل اور اس کے ربّ کے درمیان تلافی کا معاملہ ہے۔ اسی لیے مقتول کے ورثاء اگر دیّت معاف بھی کر دیں، تب بھی کفّارے کا حکم اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔

قرآن نے کفّارے کے طور پر مؤمن غلام کی آزادی اور اس کی عدمِ استطاعت پر دو ماہ کے مسلسل روزے مقرّر فرمائے۔ یوں ایک بے ارادہ انسانی نقصان کے بعد شریعت نے انسان کو محض افسوس پر نہیں چھوڑا، بلکہ اسے ایسی عبادت سے گزارا جس میں طویل مدّت تک ذمّہ داری، صبر اور ندامت زندہ رہتی ہے۔

سورۃ النساء کی اِس آیت کو اگلی آیت سے ملا کر پڑھیں تو یہ مضمون زیادہ کُھل کر سامنے آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس تعلق میں فرماتے ہیں۔

”جو شخص کہ ایک مؤمن کو بلا کسی کافی عذر کے قتل کر دے پس اِس کی سزا جہنم ہے...اَور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے شخص پر میرا غضب نازل ہو گا پس خدا کے غضب سے اَور کون سی چیز ہے جو خطرناک ہے۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 3 صفحہ 332)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اِن دو آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”مؤمن قتل عمد تو کرتا ہی نہیں۔ اگر خطا ہو تو غلام آزاد کرے۔ دیّت ہے... دو مہینے کے روزے رکھے...وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا: تین گناہ کئے ہیں 1) جنابِ الٰہی کا حکم توڑا 2) اُس کے منافع سے محروم کیا 3) اُس کی زندگی برباد کی... غضب خود ایک جہنم ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 51)

ظِہار: ایک جاہلی جملے کی تہذیبی تطہیر

سامعین! عرب معاشرے میں شوہر کا اپنی بیوی کو ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دینا ایک معروف جاہلی رسم تھی۔ اسلام نے اس قول کو نہ طلاق قرار دیا، نہ اسے معمولی مذاق سمجھا بلکہ اسے منکر اور جھوٹا قول قرار دے کر اس کی اصلاح کے لیے ایک باقاعدہ کفّارہ مقرّر کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ۖ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(المجادلہ:3-4)

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنے کہے ہوئے سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، تو باہم تعلق قائم کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ یہ وہ حکم ہے جس کے ذریعے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پھر جو یہ نہ پائے تو باہم تعلق قائم کرنے سے پہلے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، پھر جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔

یہاں کفّارے کی ترتیب نہایت واضح ہے:

تَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ۔ مسلسل دو ماہ کے روزے۔ ساٹھ مساکین کو اطعام۔

اور ایک بنیادی شرط بھی واضح ہے: کفّارہ مکمل ہونے سے پہلے ازدواجی تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس حکم میں خاندانی نظام کی حُرمت، زبان کی ذمّہ داری اور عورت کے وقار، تینوں کی حفاظت مضمر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"جو شخص اپنی عورت کو ماں کہہ بیٹھے تو وہ حقیقت میں اس کی ماں نہیں ہو سکتی ان کی مائیں وہی ہیں جن سے وہ ہوئے سو یہ ان کی بات نامعقول اور سراسر جھوٹ ہے اور خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں اور پھر رجوع کریں تو اپنی عورت کو چھونے سے پہلے ایک گردن آزاد کریں یہی خدائے خبیر کی طرف سے نصیحت ہے اور اگر گردن آزاد نہ کر سکیں تو اپنی عورت کو چھونے سے پہلے دو مہینہ کے روزے رکھیں اور اگر روزے نہ رکھ سکیں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاویں"

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 50)

احرام میں سر کی تکلیف کا فدیہ

سامعین! احرام انسان کو روزمرّہ کی بہت سی مباحات سے بھی ایک مخصوص مدّت کے لیے روک دیتا ہے۔ مگر اگر کسی شخص کو بیماری یا سر کی ایسی تکلیف لاحق ہو کہ بال منڈانا ضروری ہو جائے تو شریعت نے عذر کو ملحوظ رکھتے ہوئے فدیے کی گنجائش عطا کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ بِہٖۤ اَذًی مِّنۡ رَّاۡسِہٖ فَفِدۡیَۃٌ مِّنۡ صِیَامٍ اَوۡ صَدَقَۃٍ اَوۡ نُسُکٍ (البقرۃ:197)

ترجمہ: پس تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کی صورت میں فدیہ ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ کے واقعے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عملی تفصیل بیان فرمائی:

اِحۡلِقۡ ثُمَّ اذۡبَحۡ شَاۃً نُسُکًا اَوۡ صُمۡ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ اَوۡ اَطۡعِمۡ ثَلَاثَۃَ آصُعٍ مِنۡ تَمۡرٍ عَلٰی سِتَّۃِ مَسَاکِیۡنَ

(سنن ابی داؤد، حدیث 1856، 1857)

یعنی سر منڈا لو، پھر ایک بکری قربان کرو، یا تین دن کے روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو تین صاع کھجوریں کھلا دو۔

یہاں قرآن کے اجمال کو سنّت نے عملی مقدار اور صورت کے ساتھ واضح کر دیا۔ یہ کفّارۂ گناہ کے بجائے ایک فدیہ ہے، کیونکہ اس کا تعلق ایک شرعی عذر کے باعث احرام کی ایک ممانعت سے متعلق ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اِس آیت کے تحت فُٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم نے تینوں اقسام فدیہ کو غیر معیّن رکھا ہے مگر رسولِ کریم کے ارشاد سے اِس کی تعیین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے کعب بن عجرہ کو حکم فرمایا کہ سر منڈوا دیں اور چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں یا ایک بکرا قربانی کر دیں، یا تین دن کے روزے رکھیں۔"

(تفسیر صغیر صفحہ 54)

احرام میں شکار کی خلاف ورزی

سامعین! حج کی بات چل رہی ہے تو اِس سلسلہ میں ایک اَور کفّارہ کا ذکر کر دوں اور وہ احرام میں شکار کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے متعلق ہے اور وہ قرآن میں بیان پانچواں کفّارہ ہے۔ احرام کی حُرمت صرف انسان کے اپنے بدن اور لباس تک محدود نہیں۔ اس حالت میں شکار بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے اس خلاف ورزی کے لیے ایک نہایت منفرد تلافی مقرر کی:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ وَمَنۡ قَتَلَہٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ ہَدۡیًۢا بٰلِغَ الۡکَعۡبَۃِ اَوۡ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیۡنَ اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِہٖ ؕ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَیَنۡتَقِمُ اللّٰہُ مِنۡہُ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ (المائدہ:96)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم احرام میں ہو تو شکار کو قتل نہ کرو اور تم میں سے جو اسے جان بوجھ کر قتل کرے تو اس پر اس کے مثل مویشیوں میں سے جزا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں، ایسی قربانی جو کعبہ تک پہنچائی جائے، یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بطور کفارہ، یا اس کے برابر روزے، تاکہ وہ اپنے کیے کا وبال چکھے۔

اس حکم میں مثلِ شکار کی جزا، اطعامِ مساکین یا اس کے برابر روزوں کا ذکر ہے۔ اس آیت کا آخری جملہ، "لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ"، کفّارے کی تربیتی حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے: انسان اپنے عمل کے نتائج سے بے خبر نہ رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس کفّارہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

” دیکھو! جو شعائر اللہ ہیں اللہ ان کی عظمت و جبروت کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ مکّہ ایک بے نظیر شہر ہے۔ وہاں حضرت ہاجرہ نے بڑے صبر سے کام لیا اس وادیٔ غیر زرع میں خاوند سے الگ ہو کر رہیں۔ وہیں صفا و مروہ جہاں بے تابانہ آپ گھومی تھیں۔ اب وہاں اتنی بھیڑ ہے کہ جگہ نہیں ملتی۔ وہ تو عورت تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھو۔ اِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفّٰى (النجم:38) کا سرٹیفکیٹ پایا۔ آپ نے خدا جانے کس اخلاص و جوشِ توحید کے ساتھ اینٹیں لا لا کر پھیرے دئے اور دیواریں بنائیں کہ اب جو جاتا ہے اس عظمت کا مطالعہ کرنے کے لئے طواف کرتا ہے۔ پس ایسے مکّہ کی تعظیم و تکریم کے لئے اللہ اکبر تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مؤمنو! ہم تمہارے لئے امتحان رکھ کر انعام دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ وہاں شکار مت کرو بحالتِ احرام“

(حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 125)

حجِ تمتّع میں ہدی اور عجز کی صورت میں روزے

سامعین! سورۃ البقرۃ کی آیت 197 میں ایک اور اہم شرعی تلافی کا ذکر ہے، جسے شکار یا سر منڈانے کے فدیے سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ تمتّع کی صورت میں ادا کرے، اس کے لیے ہدیٰ کا حکم ہے اور ہدیٰ میسّر نہ ہو تو دس روزوں کا حکم دیا گیا ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرۃ:197)

یعنی جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ تمتع کرے، اس پر جو قربانی میسر ہو وہ ہے اور جو نہ پائے تو حج کے دوران تین روزے اور جب واپس ہو تو سات روزے رکھے۔ یہ پورے دس ہوئے۔

یہ حکم کفارۂ معصیت کے بجائے حج کے ایک مخصوص طریقے سے متعلق ہدیٰ / بدیلِ ہدیٰ ہے، اسی لیے علمی درستی کے لیے اسے الگ عنوان کے تحت رکھنا ضروری ہے۔

صیام کا فدیہ: دائمی عجز اور شریعت کی وسعت

روزہ فرض عبادت ہے، لیکن شریعت انسان کی حقیقی استطاعت کو نظر انداز نہیں کرتی۔ قرآن میں فرمایا گیا:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ:185)

ترجمہ: جو لوگ اس کی مشقّت کے ساتھ طاقت رکھتے ہوں ان پر ایک مسکین کو کھانا کھلانا فدیہ ہے اور جو اپنی خوشی سے مزید بھلائی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر تم سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

اس آیت کی فقہی تطبیق میں تفصیل اور اختلاف موجود ہے، خصوصاً اس بات میں کہ "يُطِيقُونَهُ" سے مراد کن لوگوں کی مخصوص حالت ہے۔ اس لیے اسے ہر عارضی بیمار یا وقتی کمزوری والے شخص پر یکساں طور پر منطبق کرنا درست نہیں۔ سنّت اور فقہ کی روشنی میں دائمی عجز، انتہائی بڑھاپے اور ایسے مرض کی صورت جس میں صحت یابی کی امید نہ ہو، فدیے کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ یہاں شریعت کا اصول نمایاں ہے: عبادت مطلوب ہے، مگر انسان کی حقیقی استطاعت بھی شریعت کے دائرے میں معتبر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

” اِس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ جن کی طاقت کمزور ہوگئی ہے یعنی قریباً ضائع ہوگئی ہے وہ اگر روزہ نہ رکھیں تو چونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا محض اجتہادی امر ہوگا، مرض ظاہر کے نتیجہ میں نہیں ہوگا بلکہ کمزوری کے نتیجہ میں ہوگا اور اجتہاد میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان کو چاہئے کہ اپنی اجتہادی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے اگر ان کو فدیہ دینے کی طاقت ہو تو بیماری کے بہانہ سے روزہ نہ چھوڑیں بلکہ سلب طاقت کی بناء پر روزہ چھوڑیں اور غلطی کے امکان کا کفّارہ اِس طرح ادا کریں کہ وہ ایک مسکین کا کھانا ان دونوں میں دے دیا کریں۔“

(تفسیر صغیر صفحہ 50)

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن سے ماورا یا قرآن کی عملی تشریح کرنے والے کفّارات

سامعین! قرآن نے اصول اور بنیادی احکام عطا کیے، مگر شریعت کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ سے ہوئی۔ چنانچہ بعض معاملات میں قرآن نے اصل حکم بیان کیا اور سنّت نے اس کی مقدار اور عملی صورت واضح کی، جبکہ بعض دیگر معاملات میں سنّت نے مستقل شرعی رہنمائی فراہم فرمائی۔

ان احکام کو قرآن کے بیان کردہ کفّارات کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہیے۔ ہر ایک کی اپنی نوعیت ہے۔

رمضان کے روزے میں قصداً جماع: سنّت کا متعین کفّارہ

رمضان کا روزہ محض کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک مکمل روحانی ضبط ہے۔ اسی لیے روزے کی حالت میں قصداً جماع کرنا ایک سنگین خلاف ورزی ہے جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح اور مرتّب کفّارہ بیان فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: وَمَا أَهْلَكَكَ؟ قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ. قَالَ: هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَهَلْ تَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟ قَالَ: لَا.

(صحیح البخاری، حدیث 1936، 1937)

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مَیں ہلاک ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا: مَیں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: کیا تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کی ایک ٹوکری لائی گئی اور اسے بطور کفّارہ دینے کا حکم دیا گیا۔ جب اس شخص نے عرض کیا کہ مدینہ میں اس سے زیادہ محتاج کوئی گھر نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے گھر والوں کو کھلانے کی اجازت عطا فرمائی۔

اس کفّارے کی ترتیب ہے:

غلام آزاد کرنا۔ مسلسل دو ماہ کے روزے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

یہاں ایک ضروری فقہی احتیاط بھی لازم ہے: یہ حکم اس مخصوص واقعے یعنی رمضان کے فرض روزے کی حالت میں قصداً جماع سے متعلق ہے۔ روزہ توڑنے کی ہر صورت کو بلا تفصیل اسی کفّارے کا موجب قرار دینا درست نہیں۔ مختلف صورتوں کے الگ فقہی احکام ہیں۔

اس واقعے میں نبوی رحمت کا ایک نہایت لطیف پہلو بھی ہے۔ شخص اپنے گناہ کو "ہلاکت" سمجھ کر آیا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف سزا کا احساس نہیں دلایا۔ اسے اصلاح، کفّارہ اور بالآخر اپنے محتاج گھرانے کی ضرورت پوری ہونے کا راستہ بھی عطا فرمایا۔ شریعت جرم کی سنگینی برقرار رکھتے ہوئے انسان کے لیے واپسی کا دروازہ کھلا رکھتی ہے۔

نذر کا کفّارہ

نذر اور قَسم باہم ایک نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صورتوں میں نذر کے کفّارے کو قَسم کے کفّارے کے برابر قرار دیا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ

(صحیح مسلم، کتاب النذر، حدیث 1645)

یعنی نذر کا کفّارہ قسم کا کفّارہ ہے۔

البتہ نذر کے احکام اس کی نوعیت اور الفاظ کے لحاظ سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس حدیث کو ہر قسم کی نذر کے تمام جزئی احکام کا یکساں ضابطہ سمجھنا درست نہیں۔ اسی طرح معصیت کی نذر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِهِ

(صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور)

کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو وہ اسے پورا کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی ہو وہ نافرمانی نہ کرے۔

یہاں شریعت کا بنیادی اصول روشن ہو جاتا ہے: معصیت کسی عہد کی پابندی سے عبادت نہیں بن سکتی۔

یمینِ غموس: جس کا تدارک محض مالی کفّارے سے نہیں

جان بوجھ کر ماضی کے کسی واقعے کے بارے میں جھوٹی قَسم کھانا یمینِ غموس کہلاتا ہے۔ اسے غموس اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کو گناہ میں غرق کر دیتی ہے۔ یہاں ایک اہم علمی امتیاز ضروری ہے: یمینِ غموس کو سورۃ المائدہ کے عام کفّارۂ یمین کے ساتھ بلا تفصیل برابر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے جس میں سچی توبہ، ندامت، استغفار اور اگر کسی بندے کا حق متاثر ہوا ہو تو اس حق کی تلافی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثلاً اگر کسی نے جھوٹی قَسم کے ذریعے کسی کا مال ہڑپ کیا تو صرف کوئی مالی عبادت ادا کر دینا اس مظلوم کا حق ساقط نہیں کرتا۔ حق اسی کو واپس کرنا ہوگا جس کا حق مارا گیا ہے۔

یہاں اسلامی تصوّرِ تلافی کا ایک بنیادی اصول سامنے آتا ہے: اللہ کا حق توبہ سے متعلق ہے، مگر بندے کا حق بندے کے حق سے متعلق ہے۔

کفّارۂ مجلس: لغو کے بعد استغفار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس کی لغویات کے لیے بھی ایک نہایت لطیف تلافی سکھائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ، فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَلِكَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ

(جامع الترمذی، حدیث 3433)

جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں بہت سی لغو باتیں ہوئیں، پھر مجلس سے اٹھنے سے پہلے کہے: اے اللہ! تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے، مَیں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، مَیں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں، تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا تھا اسے بخش دیا جاتا ہے۔

یہ اصطلاحی فقہی کفّارہ نہیں، بلکہ مجلس کی لغویات کے بعد نبوی استغفار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسان کی زبان کی چھوٹی چھوٹی بے احتیاطیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتا، بلکہ اسے ہر نشست کے اختتام پر اپنے الفاظ کا محاسبہ کرنا سکھاتا ہے۔

سامعین! تقریر کے آخر پر بطور خلاصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے ارشادات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن شریف کی رُو سے لغو یا جھوٹی قسمیں کھانا منع ہے کیونکہ وہ خدا سے ٹھٹھا ہے اور گستاخی ہے اور ایسی قسمیں کھانا بھی منع ہے جو نیک کاموں سے محروم کرتی ہوں جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ مَیں آئندہ مسطح صحابیؓ کو صدقہ خیرات نہیں دوں گا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا۔ یعنی ایسی قسمیں مت کھاؤ جو نیک کاموں سے باز رکھیں… تفسیر مفتی ابو مسعود مفتی روم میں زیر آیت وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ لکھا ہے کہ عُرضہ اس کو کہتے ہیں کہ جو چیز ایک بات کے کرنے سے عاجز اور مانع ہو جائے اور لکھا ہے کہ یہ آیت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں ہے جب کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ مسطح کو جو صحابی ہے، بباعث شراکت اس کی حدیث اِفک میں، کچھ خیرات نہیں دوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ ایسی قسمیں مت کھاؤ جو تمہیں نیک کاموں اور اعمال صالحہ سے روک دیں، نہ یہ کہ معاملہ متنازعہ، جس سے طے ہو۔"

(الحکم۔ جلد 8 نمبر 22 بتاریخ 10۔ جولائی 1904ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عُرْضَةً: اللہ کے نام کو نیکی کرنے میں روک نہ بناؤ مثلاً خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ دیا: مَیں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں کے گھر نہ جاؤں گا۔ وغیرہ۔"

(حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 361-362)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ عہدیداران کو نصیحت کرتے ہوئے ایک حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:

"جب تو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق قسم کھائے اور پھر اس قسم سے برعکس تجھے بہتر بات نظر آئے تو وہ بہتر بات کر اور اپنی قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے'۔ (بخاری کتاب الاحکام)۔ یہی ہے کہ عہدیداران کو بھی بعض دفعہ قسم تو نہیں کھاتے لیکن بعض ضدّیں ہوتی ہیں کہ یہ کام اس طرح نہیں ہونا چاہئے تو اگر جماعت کے مفاد میں ہو تو پھر تمہاری ضدّیں یا تمہاری قسمیں زیادہ اہم نہیں ہیں۔ ان کو ختم کرو۔ یہ جماعت کے مفاد میں حائل نہیں ہونی چاہئیں بلکہ تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اس طرح کام ہونا چاہئے جس طرح جماعت کے حق میں بہترین ہو۔"

(خطبہ جمعہ 31 دسمبر 2004ء)

پھر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت "سمیع" کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر صفت سَمِیْع کے ضمن میں ایک اور آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ البقرہ:225)

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ اس غرض سے نہ بناؤ کہ تم نیکی کرنے یا تقویٰ اختیار کرنے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے سے بچ جاؤ اور اللہ بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

اس ضمن میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ یعنی جس طرح ایک شخص نشانہ پر بار بار تیر مارتا ہے اسی طرح تم بار بار خدا تعالیٰ کی قسمیں نہ کھایا کرو کہ ہم یوں کر دیں گے اور وُوں کر دیں گے۔ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ یہ ایک نیا اور الگ فقرہ ہے جو مبتدا ہے خبر محذوف کا۔ اور خبر محذوف اَمْثَلُ وَاَوْلٰی ہے۔ یعنی بِرُّكُمْ وَتَقْوٰكُمْ وَاِصْلَاحُكُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَمْثَلُ وَاَوْلٰی۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارا نیکی اور تقویٰ اختیار کرنا اور اصلاح بین الناس کرنا زیادہ اچھا ہے۔ صرف قسمیں کھاتے رہنا کہ ہم ایسا کر دیں گے، کوئی درست طریق نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ قسمیں کھانے کی بجائے کام کر کے دکھاؤ۔ پہلے قسمیں کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ زجاجؔ جو مشہور نحوی اور ادیب گزرے ہیں، انہوں نے یہی معنے کئے ہیں۔

پھر حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ دوسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو روک نہ بناؤ اُن چیزوں کے لئے جن پر تم قسم کھاتے ہو۔ یعنی بِرّ کرنا، تقویٰ کرنا اور اصلاح بین الناس کرنا۔ اس صورت میں یہ تینوں اَیْمَان کا عطف بیان ہیں اور اَیْمَان کے معنے قسموں کے نہیں بلکہ اُن چیزوں کے ہیں جن پر قسم کھائی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے نیک کام کی قسم نہ کھالیا کرو۔ تا کہ یہ کہہ سکو کہ کیا کروں چونکہ مَیں قسم کھا چکا ہوں، اس لئے نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی ضرورتمند نے روپیہ مانگا تو کہہ دیا کہ مَیں نے تو قسم کھالی ہے کہ آئندہ مَیں کسی کو قرض نہیں دوں گا۔

تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر کوئی نیکی اور تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے کام کے لئے تمہیں کہے تو یہ نہ کہو کہ مَیں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے، مَیں یہ کام نہیں کر سکتا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ تیسرے معنے یہ ہیں کہ اس ڈر سے کہ تمہیں نیکی کرنی پڑے گی خدا تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ اس صورت میں اَنْ تَبَرُّوْا مفعول لاجلہ ہے اور اس سے پہلے کَرَاھَۃً مقدّر ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر اچھی باتیں نہ کرنے کی قسمیں کھاؤ گے یا ان خوبیوں سے محروم ہو جاؤ گے، اس لئے نیکی تقویٰ اور اصلاح بین الناس کی خاطر اس لغو طریق سے بچتے رہو۔

درحقیقت یہ سب معنے آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ صرف عربی عبارت کی مشکل کو مختلف طریق سے حل کیا گیا ہے۔ جس بات پر سب مفسرین متفق ہیں، وہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نہ کرو کہ خدا تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ بنالو۔ یعنی اُٹھے اور قسم کھالی۔ یہ ادب کے خلاف ہے اور جو شخص اس عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بسا اوقات نیک کاموں کے بارے میں بھی قسمیں کھالیتا ہے کہ مَیں ایسا نہیں کروں گا اور اس طرح یا تو بے ادبی کا اور یا نیکی سے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ بعض اچھے کاموں کے متعلق قسمیں کھا کر خدا تعالیٰ کو ان کے لئے روک نہ بنالو۔ اِن معنوں کی صورت میں داؤ پیچ والے معنے خوب چسپاں ہوتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ صدقہ و خیرات سے بچنے کے لئے چالیں چلتے ہیں اور داؤ کھیلتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کی قسم کو جان بچانے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ گویا دوسرے سے بچنے اور اُسے

پچھاڑنے میں جو داؤ استعمال کئے جاتے ہیں اُن میں سے ایک خدا تعالیٰ کی قسم بھی ہوتی ہے۔ پس فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کے نام کو ایسے ذلیل حیلوں کے طور پر استعمال نہ کیا کرو۔ میرے نزدیک سب سے اچھی تشریح علامہ ابوحیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے احسان اور نیکی وغیرہ کے آگے روک بنا کر کھڑا نہ کر دیا کرو۔
وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ میں بتایا کہ اگر تمہیں نیکی اور تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے کام میں مشکلات پیش آئیں تو خدا تعالیٰ سے اس کا دفعیہ چاہو اور ہمیشہ دعاؤں سے کام لیتے رہو کیونکہ یہ کام دعاؤں کے بغیر سرانجام نہیں پاسکتے اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے۔ اگر تم اس کی طرف جھکو گے تو وہ اپنے علم میں سے تمہیں علم عطا فرمائے گا اور نیکی اور تقویٰ کے بارے میں تمہارا قدم صرف پہلی سیڑھی پر نہیں رہے گا بلکہ علم لدنی سے بھی تمہیں حصہ دیا جائے گا۔ ''(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 506-507)

(خطبہ جمعہ 13/جون 2003ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ارشادات سے مستفیذ ہونے کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: نعیم اللہ باجوہ، آسٹریلیا)

✡✡✡✡